© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۲/۲۵، جولائی - دسمبر ۲۰۱۰ء

اداریہ

عورتوں کی معاشی تمکین - قرآن کریم کی روشنی میں

ظفر الاسلام اصلاحی

اسلام، اسلامی نظام اور اسلامی شریعت کی نسبت سے جو مسائل آج کل بہت زیادہ زیر بحث آتے ہیں ان میں عورتوں کے معاشی حقوق اور ان کی معاشی تمکین کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے، عورتوں کے مالکانہ حقوق اور کسبِ مال، صرفِ مال و نظم مالیات میں ان کے حدود واختیارات تحریر وتقریر میں اکثر زیر بحث آتے رہتے ہیں۔ بعض حلقوں میں یہ تأثر پایا جاتا ہے کہ بلکہ کچھ لوگ منصوبہ بند طور پر یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان مسائل میں اسلام کی تعلیمات اور اسلامی شریعت کے قوانین عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ مسلم عورتیں معاشی میدان میں لاچار و بے بس نظر آتی ہیں اور معاشی ناہمواری اور مالی بدحالی کا شکار رہتی ہیں۔ اس پس منظر میں قرآن کی روشنی میں عورتوں کے حقوق کا جائزہ لینا اور ان کی معاشی تمکین کے مواقع پر نظر ڈالنا اہمیت وافادیت سے خالی نہ ہوگا۔ قرآن کریم ہر معاملہ میں بہترین رہنما ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی اس کتابِ ہدایت سے جو رہنمائی ہمیں ملتی ہے وہ ہر حال میں لائق توجہ وقابل اتباع ہے۔

قرآنی آیات میں غور وفکر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن نے گھریلو و سماجی زندگی سے متعلق جو اصول وضوابط وضع کیے ہیں وہ بڑے قیمتی ہیں اور ان سب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان سکون واطمینان کی زندگی بسر کرسکے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ معاشرتی زندگی میں فیملی لائف ایک بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتی ہے قرآن نے اسے مضبوط کرنے اور بہتر بنانے پر خاص زور دیا ہے۔ خاندان کے ایک ایک فرد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقوق و فرائض متعین کیے ہیں تاکہ ہر شخص ان سے اچھی طرح واقف ہو کر انھیں پورا کرے اور گھریلو زندگی میں کوئی رخنہ نہ آئے۔ دوسرے سورہ نساء اور بعض دوسری سورتوں میں جس تفصیل سے عورتوں کے حقوق بیان کیے گئے ہیں اور جس واضح انداز میں معاشرتی و معاشی مختلف پہلوؤں سے ان کی حیثیت متعین کی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاشرہ کی بنیادی اکائی میں عورت بہت اہم کردار کی حامل ہے اور یہ کہ قرآن کی نگاہ میں عورت کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے اسے ملحوظ رکھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے ہی میں سماجی زندگی کی بہتری و خوشگواری منحصر ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت، خانگی امور کی انجام دہی، خاندانی زندگی کی تعمیر اور معاشرہ کا رخ متعین کرنے میں عورت کا خاص دخل ہوتا ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں قرآن کریم کی یہ وضاحت بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ عورتوں کے بھی حقوق ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح مرد اپنے حقوق رکھتے ہیں یعنی عورتیں صرف ذمہ داریوں سے زیر بار نہیں بلکہ حقوق کی بھی مالک ہیں جن کی ادائیگی خوش گوار ماحول اور صالح معاشرہ کی تعمیر کے لیے ناگزیر ہے۔ قرآن کی یہ آیت اسی حقیقت کی ترجمانی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (البقرہ/۲۲۸) (عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔)

یعنی دونوں حقوق رکھتے ہیں اور دونوں کے لیے اپنے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس آیت کے حوالہ سے عورتوں کے حقوق سے بحث کرتے ہوئے علامہ شبلی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ''صرف یہی آیت عورتوں کے حقوق تمام باتوں میں مردوں کے برابر قرار دیے جانے کے لیے کافی ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا''۔[۱] (خطبات شبلی (مرتبہ سید سلیمان ندوی) دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء، ص ۱۵۸) درحقیقت اس آیت سے عورت کا باختیار ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب وہ حق رکھتی ہیں تو حق کو استعمال کرنے کی بھی مالک ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک عورتوں کی معاشی تمکین کا مسئلہ ہے اس ضمن میں قرآن کریم کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اس نے انھیں مالکانہ حقوق عطا کیے ہیں اور انہیں استعمال کرنے کا اختیار بھی دیا ہے، جب کہ دوسری تہذیبوں میں یا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں انھیں شیئ مملوکہ وموہوبہ یا منقولہ جائداد کی حیثیت دی جاتی تھی۔ انھیں مال کمانے وخرچ کرنے کی آزادی نہیں حاصل تھی، اگر کسی ذریعہ سے ان کے پاس کچھ مال آتا بھی تو وہ ان کے شوہر یا سرپرست کی ملک تصور ہوتا۔ ان کا کچھ اختیار اس پر نہ ہوتا۔ ان تمام تصورات کی نفی کرتے ہوئے قرآن نے ان کے بارے میں صاف صاف اعلان کیا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ (النساء/۳۲)

(جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ۔)

اس آیت سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی کسب مال وحصول زر کی مجاز ہیں دوسرے یہ کہ وہ جو کچھ کمائیں یا جو مال انھیں حاصل ہو وہ اس کی مالک ومختار ہیں کسی کو اس میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق حاصل نہیں ہے یہاں یہ واضح رہے کہ بہت سے مفسرین نے اس آیت میں ''اکتساب'' سے (مال کمانے کے بجائے) نیکی یا بدی کمانا مراد لیا ہے لیکن آیت کے سیاق وسباق سے اس کا جو ظاہری مفہوم (مال کمانا) نکلتا ہے وہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ آیت سے پہلے ''فضل اللہ'' کا لفظ آیا ہے اور اس کے بعد بھی۔ پوری آیت اس طرح پر ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ (النساء/۳۲)

(اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ۔ ہاں اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''فضل اللہ'' قرآن کی خاص اصطلاح ہے اس کی تشریح و تعبیر عام طور پر مادی وسائل، مال و دولت یا ذریعہ معاش سے کی جاتی ہے۔ درحقیقت پوری آیت کا سیاق و سباق بتارہا ہے کہ یہاں جس چیز کی حرص کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کمائی کو کمائی کرنے والے کا حصہ قرار دیا گیا ہے اس کا تعلق مادی وسائل سے ہے نہ کہ معنوی کمائی سے۔

دوسرے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر بلاتفریق مردوزن اہل ایمان کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ اگر عورتیں اپنے مال کی مالک ومختار نہ ہوں گی تو پھر زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقہ و انفاق کا سوال کہاں پیدا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی رو سے عورتیں مال کی مالک ہوسکتی ہیں اور ہوں گی اور جب بھی ان کا مال حد نصاب کو پہنچ جائے تو ان کے لیے زکواۃ کی ادائیگی لازم قرار پائے گی۔ اسی طرح ان سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ نیک کاموں میں اپنے مال کو خرچ کریں اور ثواب کمائیں: مومن مردوں اور عورتوں کے اوصاف میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ۔ (اور صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں) (الاحزاب/۳۵)

ظاہر ہے کہ عورتیں صدقہ کرنے کی اہل اسی وقت ہوں گی جب وہ مال و دولت یا وسائل کی مالک ہوں گی۔ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں عورتیں ضرورت کے وقت کسب معاش اختیار کرتی تھیں، گھر کے لوگوں کی کفالت کرتی تھیں اور صدقہ و خیرات میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ حضرت زینب بنت عبداللہ ابی معاویہ نے نبی کریم ﷺ سے استفسار فرمایا کہ وہ دستکاری سے جو کچھ کماتی ہیں وہ شوہر اور بال بچوں کی ضروریات میں صرف ہوجاتا ہے۔ کچھ بچتا نہیں کہ وہ صدقہ و خیرات کرسکیں، کیا اس صورت میں انھیں کچھ ثواب ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے شوہر و اولاد کی کفالت کرتی رہو، تم کو اس کا اجر ملے گا ایک انفاق کا، دوسرے صلہ رحمی کا۔ (طبقات ابن سعد، دار صادر بیروت، ۱۹۵۸ء، ۲۹۰/۸) حضرت ام سلمہ کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ پہلے شوہر سے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اولاد تھیں جو زوجہ مطہرہ ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ وہ ان کی پرورش و پرداخت میں بڑی دلچسپی لیتی تھیں اور بڑے سلیقہ سے یہ کام انجام دیتی تھیں۔ ان کے دریافت کرنے پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انہیں اس کا اجر ملے گا۔ (سعید انصاری، سیر الصحابیات، دار المصنفین، اعظم گڑھ (بدون تاریخ)، ص ۶۱) ظاہر ہے کہ وہ صاحب وسائل نہ ہوتیں یا ان کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہوتا تو وہ کیسے یہ خدمت انجام دیتیں۔ حضرت زینب بنت جحش کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتیں اور بڑی فیاض واقع ہوئی تھیں جو کچھ انھیں ہاتھ آتا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتیں اسی وجہ سے وہ "طویل الید" کے لقب سے مشہور ہوگئی تھیں۔ (طبقات ابن سعد، ۱۰۸/۸، ابن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مطبع مصطفیٰ محمد، مصر، ۱۹۳۹ء، ۳۰۷/۴-۳۰۸)

بیوی کی حیثیت سے عورت کا ایک خاص ذریعہ آمدنی مہر ہوتا ہے قرآن نے اس پر اس کا کلی حق ملکیت تسلیم کیا ہے چاہے نکاح کے وقت اس کی ادائیگی ہو یا نہ ہو نکاح ہوتے ہی مہر پر بیوی کا حقِ ملکیت ثبت ہو جاتا ہے جب چاہے وہ شوہر سے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اور جب وہ اس کے قبضہ میں آجائے تو اسے اس پر تصرف کا پورا اختیار حاصل ہوگا۔ شوہر اس میں دخیل نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے جن الفاظ میں اس کا حق مہر ذکر کیا ہے اور جس زوردار انداز میں شوہر کو اس کی ادائیگی کی تاکید کی ہے اس سے خود بخود یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مہر عورت کا حق ثابتہ ہے۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔ (اور عورتوں کے مہر خوشی خوشی ادا کرو)
(النساء/۴)

فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً۔ (النساء/۲۴) پس جب تم ان سے ازدواجی تعلق قائم کر چکے ہو تو ان کا مہر فریضہ سمجھ کر ادا کرو۔

پہلی آیت میں یہ کہہ کر کہ "ان کا مہر ادا کرو" قرآن نے یہ نکتہ ذہن میں بٹھانا چاہا ہے کہ مہر بلا شرکِ غیر بیوی کا حق ہے اس میں شوہر کو کمی بیشی اور خرد برد کرنے یا اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ دوسرے یہ پیغام بھی دینا ہے کہ شوہر اسے ادا کر کے عورت پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہے بلکہ یہ اس کا حق تھا جسے وہ ادا کر رہا ہے۔ دوسری آیت میں مہر کی ادائیگی کو فریضہ قرار دے کر اس حق کو اور زیادہ موکد کر دیا ہے۔ مہر پر بیوی کا حق ملکیت اور اس میں تصرف کا اختیار اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے جس میں اسے اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو وہ اسے معاف کر دے یا اس کے کچھ حصہ سے دست بردار ہو جائے۔ جب عورت خوش دلی سے مہر کا کچھ حصہ یا پورا کا پورا معاف کر دے تو شوہر اسے بلا تکلف استعمال کر سکتا ہے۔ قرآن کی اس آیت سے یہی مسئلہ اخذ ہوتا ہے:

فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَّرِيئاً۔ (النساء/۴)	البتہ اگر وہ خوش دلی سے مہر کا کوئی حصہ تمھیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

قرآن کی یہ شرط کہ 'اگر وہ خوش دلی سے کچھ معاف کر دیں' مہر پر بیوی کے حق و اختیار کو اور زیادہ مستحکم بنا دیتا ہے۔

مہر کے علاوہ شوہر کے مال میں بیوی اپنا حق رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی ضروریات کی تکمیل شوہر کے ذمہ واجب ہے، نان ونفقہ یا کھانے پینے اور رہنے سہنے کا معقول انتظام بیوی کا حق ہے جو شوہر پر عاید ہوتا ہے۔ اس باب میں قرآن کی یہ آیت بہت جامع ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (النساء/۱۹)	اور عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کی زندگی گزارو۔

معاشرت بالمعروف یا نیکی کا سلوک بڑا جامع لفظ ہے۔ اس میں نرم روی، خوش گفتاری، حسن معاملہ کے علاوہ ان تمام ضروریات کی تکمیل بھی شامل ہے جو اس کے گذر بسر کے لیے ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں معاشی ضروریات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جن کے پورا کرنے کی ذمہ داری شوہر کی ہے۔ اسی سے شریعت کا یہ اصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکلتا ہے کہ اگر شوہر نان ونفقہ کے باب میں کوتاہی برت رہا ہے تو بیوی بلا تکلف اس کا مطالبہ کرسکتی ہے۔عدالت سے رجوع کرسکتی ہے۔اس سے آگے بڑھ کر یہ قانونی نکتہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر وسائل کے باوجود شوہر بیوی کو نان ونفقہ نہیں فراہم کررہا ہے تو وہ شوہر کے مال میں سے بقدر کفاف اس کی اجازت کے بغیر لے سکتی ہے۔جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہند بنت عتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرے شوہر ابوسفیان بخیل ہیں، مجھے اتنی مقدار میں رقم فراہم نہیں کرتے جو میرے اور بچوں کے لیے کافی ہو۔کیا میں ان کی اطلاع کے بغیر ان کے مال میں سے اس قدر لے سکتی ہوں جو میری اور میری بچوں کی کفایت کرسکے۔آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ تم اپنی واپنی اولاد کی ضرورت کے لیے ان کا مال خرچ کرسکتی ہو۔(صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل للمرءۃ ان تاخذ بغیر علم بقدر ما یکتفیھا وولدھا بالمعروف) مزید براں عورت اس بات کی بھی مجاز ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ و خیرات کرے اور اجر کمائے بشرطیکہ اس میں خرابی کا کوئی پہلو نہ ہو۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ کرتی ہے فساد یا خرابی سے اجتناب کرتے ہوئے تو بیوی کو اس کا بدلہ ملتا ہے اور شوہر کو کمائی کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔(صحیح بخاری، باب اجر المرءۃ اذا تصدقت واطعمت من بیت زوجھا غیر مفسدۃ، سنن ابی داؤد، کتاب الزکواۃ باب المرءۃ تصدق من بیت زوجھا)

نان ونفقہ کے باب میں اسلامی شریعت نے عورت کو جو حدود واختیارات دیے ہیں ان کی وسعت واہمیت اس ضابطہ سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر بیوی صاحب حیثیت گھرانہ سے تعلق رکھتی ہے جہاں گھر کے کام وکاج کے لیے خادمہ رکھنے کا دستور ہے تو شوہر پر (استطاعت کی صورت میں) واجب ہے کہ وہ اس کے لیے خادمہ کا نظم کرے۔(عالم بن العلاء الحنفی، الفتاویٰ التاتار خانیہ (مرتبہ قاضی سجاد حسین)، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۸۷ء، ۴/۲۰۴-۲۰۶) اسی طرح بیوی اگر صاحب مال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و دولت ہے تب بھی اس کا نان ونفقہ شوہر ہی کے ذمہ ہے وہ اسے اپنا مال خرچ کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی یہ اور بات ہے کہ بیوی از خود اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور شوہر سے کچھ مطالبہ نہ کرے۔

عورتوں کی معاشی تمکین کے سلسلہ میں تیسرا اہم پہلو ان کا حق وراثت ہے جسے قرآن نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں خاص بات یہ ہے کہ قرآن نے وارث و مورث دونوں حیثیتوں میں عورتوں کے حقوق و اختیارات واضح کیے ہیں۔ اس مسئلہ پر قرآن کی اصولی بات یہ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (النساء/۷)	مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ [اللہ کا] مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔

یہ آیت اس قانونی نکتہ کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ میراث میں صرف مردوں کا حق نہیں بلکہ عورتیں بھی اس کی حقدار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا یہ حصہ مقرر من اللہ ہے تیسرے یہ کہ وہ والدین اور قریبی اعزہ کے چھوڑے ہوئے مال ومتاع کی مستقل وارث ہوسکتی ہیں اور اپنی اولاد او ررشتہ داروں کے لیے مال و اسباب بطور ترکہ چھوڑ بھی سکتی ہیں، بہر صورت زمین و جائداد اور روپیہ میں ان کی مالکانہ حیثیت مسلم ہوتی ہے۔ مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے انتظام و انصرام میں پوری طرح آزاد ہے۔ اس کی نسبت سے اسے معاملہ کرنے کا حق حاصل ہے خواہ خرید وفروخت کی بات ہو یا رہن و ہبہ کا معاملہ ہو۔ مقصود یہ کہ وہ قانونی طور پر اس کی مجاز ہے کہ وہ اپنے مال اور زمین و جائداد میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ جب کہ یورپ میں ماضی قریب تک عورت کو اپنی زمین و جائداد میں آزادانہ طور پر تصرف کا حق حاصل نہیں تھا۔ وہ کسی مرد (باپ، شوہر یا سرپرست) کے ذریعہ ہی ایسا کرسکتی تھی۔ اس طرح قرآن کی یہ ہدایت بڑی انقلابی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کی رو سے معاشی معاملات میں عورت کو آزادی نصیب ہوئی۔ یہاں یہ ذکر بے موقع نہ ہوگا کہ سرسید نے ۱۸۷۱ء میں اپنے مضمون ''عورتوں کے حقوق'' میں یہ واضح کیا تھا کہ اسلام نے عورتوں کو جو اختیارات دیے ہیں وہ آج تک کسی بھی متمدن ملک میں انھیں حاصل نہیں۔ انھوں نے عورتوں سے متعلق برطانیہ کے قوانین کا حوالہ دیتے ہوئے یہ تحریر فرمایا تھا کہ:

☆ انگلینڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے مبدل ہو جاتی ہے۔

☆ جو اسباب اور ذاتی مال و نقد و جائداد قبل شادی عورت کی ملک ہے وہ سب بعد شادی کے بقبضہ شوہر آجاتی ہے۔

☆ جو جائداد عورت کو وراثتاً قبل شادی یا بعد شادی کے ملی ہو اس سب پر اس کا شوہر تاحین حیات قابض ہو جاتا ہے اور وہی اس کا محاصل لیتا ہے۔

☆ وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور کوئی چیز بیع نہیں کر سکتی۔

☆ وہ بجز روٹی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خرچ کے جو ضروریات زندگی کے لیے درکار ہے اور کوئی خرچ بغیر مرضی شوہر کے نہیں کر سکتی۔

(مقالات سرسید (مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی)، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۰ء، ۱۹۴/۵-۱۹۵)

علامہ شبلیؒ نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں ''حقوق نسواں'' کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے یہی نکتے اٹھائے تھے اور آخر میں ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا:

''آج یورپ کی تہذیب کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا ہے اس کے حقوق نسواں سے اسلامی حقوق نسواں کا مقابلہ کر کے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے عورت کے ساتھ کیسی فیاضی کا برتاؤ کیا ہے اسلام کے لیے موجب ننگ ہے کہ اس کا مقابلہ اس قسم کی تہذیبوں سے کیا جائے''۔

(خطبات شبلی، ص ۱۵۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے وراثت میں عورتوں کے استحقاق کے بارے میں قرآن کے اعلان کی اہمیت زمانہ نزول کے پس منظر میں بھی سمجھی جاسکتی ہے۔اس وقت کے ماحول میں ترکہ میں عورتوں کے حصہ پانے کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ وہ خود ترکہ کی چیز سمجھی جاتی تھی۔شوہر کے انتقال پر وہ وارثوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دی جاتی حتی کہ بیٹا باپ کی منکوحات میں سے جس کو چاہتا اپنے قبضہ میں کرلیتا اور اس کے ساتھ ناروا سلوک کرتا ہے۔(شبلی نعمانی، سیرت النبی، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ۴/ ۲۱۸) یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ترکہ میں مرد وعورت کے حصہ کے بارے میں یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کا مقرر کردہ ہے قرآن نے یہ وضح کردیا کہ اس میں کسی کو من مانی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی عقل لگانے کی اجازت ہے بلکہ اس یقین کے ساتھ قرآنی تقسیم وراثت کو قبول کرنا ہے کہ اسی کے مطابق ورثہ کو (خواہ مرد ہوں یا عورت) ان کا حصہ دینے میں سب کے لیے خیر وفلاح ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ میت کے ترکہ میں بیٹی کا حق اس قرآنی اسلوب خطاب سے اور زیادہ موکد ہوجاتا ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ۔ (النساء/۱۱)

اللہ تعالیٰ تمھاری اولاد کو [ترکہ دینے] کے معاملہ میں تمھیں وصیت کرتا ہے۔لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

یہاں لفظ اولاد استعمال کرکے اس جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ وراثت کے استحقاق میں مرد وعورت یا لڑکا لڑکی میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں اس کی حقدار ہوں گی، البتہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے کم رکھا گیا ہے۔اس کی مختلف انداز میں توجیہ کی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت کی معاشی ذمہ داریاں کم ہیں۔خود اس کی کفالت کی ذمہ داریاں دوسروں پر ہیں۔شادی سے قبل باپ بیٹی کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔شادی کے بعد یہ ذمہ داری شوہر کو منتقل ہوجاتی ہے۔اگر عورت کے لیے دونوں میں سے کوئی سہارا موجود نہ ہو تو اعزہ واقرباء اس کا سہارا بنیں گے اور پھر ان میں سے کوئی صورت نہ بننے پر اسلامی اصول وتعلیمات کے مطابق بیت المال یا پورا اسلامی معاشرہ اس کا ذمہ دار ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسئلہ پر مشہور مفکر اسلام سید محمد قطبؒ نے جو کچھ لکھا ہے اسے

''مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ یہ بالکل فطری اور منصفانہ تقسیم ہے۔ کیونکہ مالی اخراجات کا سارا بوجھ تنہا مرد ہی کو اٹھانا پڑتا ہے۔ عورت پر سوائے اپنی ذات کے کسی کے اخراجات کا بوجھ نہیں ہوتا، البتہ جب عورت خاندان کی سربراہ ہو تو معاملہ مختلف ہوتا ہے اس صورت میں بے شک عورت ہی کو خاندان کی ضروریات مہیا کرنی پڑتی ہے۔ مگر یہ ایک استثنائی صورت حال ہے جو اسلامی معاشرہ میں شاذ و نادر ہی پیش آسکتی ہے کیونکہ جب تک عورت کا کوئی عزیز موجود ہو خواہ وہ عزیز کتنا دور ہی کا رشتہ دار کیوں نہ ہو روزی کمانے کے لیے عورت کو گھر چھوڑنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، ....اصل مسئلہ ریاضی کا ایک سیدھا سادا سوال ہے کل ورثہ کا ایک تہائی حصہ عورت کو صرف اپنی ذات کے لیے ملتا ہے جب کہ باقی دو تہائی مرد کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی بیوی (یعنی عورت)، اپنے بچوں اور خاندان کی ضروریات پوری کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وراثت کا بیش تر حصہ کس کو ملتا ہے، مرد کو یا عورت کو''؟

(سید محمد قطب / اردو مترجم: محمد سلیم کیانی، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۱۹۳-۱۹۴)

اوپر عورتوں کے معاشی حقوق یا ان کی معاشی تمکین کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ان سب کا تعلق اس بات سے ہے کہ وہ زمین و جائداد اور روپیہ پیسہ کی مالک ہوسکتی ہے ان کے تحفظ اور اپنی مرضی کے مطابق انھیں استعمال کرنے کی بھی مجاز ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ شوہر کے وسائل میں بیوی کا بھی حصہ ہوتا ہے اور وہ بوقت ضرورت اسے استعمال کرسکتی ہے۔ اسی ضمن میں یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے کہ کیا وہ اپنی معاشی حالت کو مضبوط کرنے کے لیے کوئی ذریعہ معاش اختیار کرسکتی ہے یا اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرکے اپنی آمدنی میں اضافہ کرسکتی ہے یا اپنے وسائل کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر سکتی ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ اسلام کی رو سے وہ ایسا بوقت ضرورت ہی کر سکتی ہے۔ اس لیے کہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینا ان کی اولین ترجیح نہیں ہے۔ عام حالات میں نہ تو اس کی اپنی کفالت اس کے ذمہ ہے اور نہ ہی کسی اور کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ گھر کی دیکھ ریکھ، اولاد کی تعلیم و تربیت اور امور خانہ کی انجام دہی اس کی اولین ضروری مصروفیات ہیں۔ یہ بجائے خود بہت اہم کام ہیں جن کے لیے مردوں کو عورتوں کا احسان مند ہونا چاہیے۔ جہاں تک معاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کا تعلق ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- اپنی ذاتی آمدنی میں اضافہ یا اقتصادی حالت کی بہتری و مضبوطی کی خاطر۔

۲- شوہر یا گھر والوں کی آمدنی میں اضافہ و ترقی کے لیے۔

۳- شوہر کی نا اہلی یا کوئی سہارا نہ ہونے پر اپنی اور بال بچوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے۔

۴- مال و دولت کما کر نیک کاموں میں لگانے اور ثواب حاصل کرنے کے لیے۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے قرآن کریم سے یہ بنیادی رہنمائی ملتی ہے کہ عورت کو کمانے کا حق حاصل ہے، محض عورت ہونے کی وجہ سے وہ اس حق سے محروم نہیں ہوگی بلکہ وہ اس حق کو استعمال کر سکتی ہے اس کے نتیجہ میں جو کچھ اسے حاصل ہوگا وہ اس کا اپنا ہوگا۔ قرآن کی اس آیت سے یہی نکتہ واضح ہوتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا	مردوں نے جو کچھ کمایا وہ ان اپنا حصہ ہے
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔	اور عورتوں نے جو کچھ کمایا وہ ان کا اپنا
(النساء/۳۲)	حصہ ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ وہ کن صورتوں میں اکتساب مال کا حق استعمال کر سکتی ہیں کیا صرف ضرورت لاحق ہونے پر اور مجبوری کی حالت میں یا اپنا معیار زندگی بلند کرنے اور اپنے گھر کے لوگوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لیے بھی ایسا کر سکتی ہیں۔ اول الذکر صورت کے جواز کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا بلکہ اگر اللہ نے کسی عورت کو علم و ہنر اور صلاحیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عطا کی ہے اور وہ معاشی میدان میں دوڑ بھاگ کی اہلیت رکھتی ہے اور گھر میں روزی روٹی کا کوئی سہارا نہیں ہے تو اس صورت حال میں عورت کے لیے اپنی صلاحیت کے مطابق کسب مال مستحسن قرار پائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ نادار تھے ان کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا۔ ان کی اہلیہ حضرت زینب کچھ صنعت وحرفت سے واقف تھیں وہ اس میں مصروف رہ کر مال کماتی تھیں اور اس سے اپنے شوہر اور بچوں کی کفالت کرتی تھیں۔ جب انھوں نے آپ ﷺ کو اس صورت حال سے باخبر کرتے ہوئے یہ دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے شوہر اور بچوں پر اپنا مال خرچ کرسکتی ہیں تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ خرچ کرتی رہو اس کا اجر ملے گا ۔ (طبقات بن سعد، ۲۹۰/۸) قیلہ نامی ایک صحابیہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے خرید و فروخت کے مسائل دریافت کیے۔ استفسار سے پہلے انھوں نے یہ واضح کیا کہ وہ خرید و فروخت میں مصروف رہنے والی عورت ہیں ۔ (حوالہ مذکور، ۳۱۱/۸-۳۱۲) عہد فاروقی میں حضرت اسماء بنت مخربہ کے بیٹے انھیں یمن سے عطر بھیجا کرتے تھے اور وہ مدینہ میں اس کا کاروبار کرتی تھیں ۔ (حوالہ مذکور، ۳۰۰/۸) ان دونوں خواتین مکرمات کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ وہ ضرورت کے تحت تجارت یا کاروبار میں مصروف رہتی تھیں یا گھر کی معاشی حالت کی بہتری کے لیے ایسا کرتی تھیں لیکن اس سے بہرحال یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ امور خانہ داری کے علاوہ دوسرے کاموں میں بھی اپنی صلاحیتیں صرف کرتی تھیں اور اپنی حالت بہتر بناتی تھیں۔ اس کے علاوہ بعض روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت عورتیں امور خانہ داری کے علاوہ دوسرے کام بھی کرسکتی ہیں اور اندرون خانہ کے علاوہ بیرون خانہ بھی اپنی مصروفیات جاری رکھ سکتی ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر شادی کے بعد گھریلو حالات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ حضرت زبیر سے میرا نکاح ہو چکا تھا لیکن ان کے پاس صرف ایک اونٹ تھا جو پانی لانے کے کام آتا تھا اور ایک گھوڑا تھا اس کے سوا نہ کوئی مال تھا اور نہ کوئی خادم یا اور کوئی چیز۔ میں خود ہی گھوڑے کو چارہ دیتی، پانی پلاتی اور اس کا ڈول بھرتی۔ مجھے خود ہی آٹا گوندھنا اور روٹی پکانی پڑتی ۔ (صحیح بخاری،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب النکاح، باب الغیرۃ) حضرت سعد بن سہل ایک خاتون کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی اپنی کھیتی تھی اور وہ پانی کی نالیوں کے کنارے چقندر کی کاشت کرتی تھیں جمعہ کے دن وہ بعض صحابہ کے ساتھ ان سے ملاقات کے لیے جاتے تو وہ چقندر اور آٹا سے تیار کردہ حلوہ سے ان کی خاطر تواضع کرتی تھیں ۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب اذا قضیت الصلواۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ)

رہا یہ مسئلہ کہ کیا کار خیر میں شرکت یا ثواب کمانے کی خاطر عورت گھر کے اندر یا باہر کوئی ایسا کام کرسکتی ہے جس سے کچھ نفع حاصل ہو۔ بعض صحابیات کی زندگی سے اس نوع کی مصروفیات کی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی خالہ عدت کی حالت میں تھیں اسی دوران انھوں نے کھجور کے کچھ درخت کاٹنے اور انھیں فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔ بعض لوگوں نے منع کیا تو وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں رہنمائی کے لیے حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اپنے کھجور کے درخت کاٹ لو۔ ممکن ہے تم اس سے کوئی نیکی کا کام کرو اور وہ تمھارے لیے باعث اجر وثواب ہو ۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی المبتوتہ تخرج بالنھار) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا جلال الدین عمری نے اس سے یہ نتائج اخذ کیے ہیں کہ اسلام عورت کو اس لائق دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ دوسروں کے کام آسکے اور ان کی فلاح و بہبود کے کام انجام دے سکے۔ دوسرے یہ کہ پاکیزہ مقصد کے حصول کے لیے عورت گھر سے باہر جاسکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ دور اول کی خواتین ضرورت کے وقت کھیت و بازار میں جایا کرتی تھیں ۱۸؂۔ (سید جلال الدین عمری، عورت اسلامی معاشرہ میں، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۳۳) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو کچھ آمدنی ہوتی اسے نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں (اصابہ فی تمییز الصحابہ، ۴/ ۳۳۸) اسی طرح حضرت ام سلمہؓ کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ثواب کمانے کی فکر میں رہتی تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھیں۔ ان کی دیکھ بھال ... خرچ ... کرتی تھیں ... آپ ﷺ سے دریافت کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ کیا ان کو اس کا کچھ ثواب ملے گا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ - ہاں ۔ (سیر الصحابیات، ص۶۱) ظاہر ہے ان کا کوئی ذریعہ آمدنی رہا ہوگا جس سے وہ سابق شوہر کی اولاد کی کفالت کرتی تھیں اور ثواب کماتی تھیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن وحدیث دونوں میں بلا کسی تفریق تمام اہل ایمان کو کار خیر میں شرکت اور نیکی کمانے میں مسابقت کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کا ایک اہم ذریعہ مال و دولت کو راہ خدا میں خرچ کرنا یا نیک کام میں اسے لگانا ہے۔ قرآن کریم میں عام انداز میں مومنین کو نیک عمل کی ترغیب دینے کے علاوہ بعض آیات میں مرد وعورت کو الگ الگ خطاب کرکے انھیں نیکی کمانے پر ابھارا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ (النحل/۹۷)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو ہم اسے دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور [آخرت میں] ان کا اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

ایک دوسری آیت میں مومن مرد و مومن عورتوں کے اوصاف بیان کرنے کے بعد انھیں اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ

بلا شبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں، عبادت گزار مرد اور عبادت گزار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اپنی شرم گاہوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً۔ (الاحزاب/۳۵)

حفاظت کرنے والے مرد اور ان کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو خوب یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرد وعورت ہر ایک کے لیے میدان عمل کھلا ہوا ہے، نیکی کمانے میں مسابقت کے مواقع دونوں کو ملے ہوئے ہیں، یعنی جو چاہے انفاق یا دوسرے کار خیر میں شریک ہوکر اپنے لیے ذخیرۂ آخرت جمع کرسکتا ہے۔ ان آیات کی روشنی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی عورت اس مقصد سے مال کمائے کہ وہ کار خیر میں شریک ہو، اپنے لیے ذخیرہ ثواب اکٹھا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ ایک نیک جذبہ ہے جو قابل قدر ہے۔ (عنایت اللہ سبحانی، عورت کے سماجی، معاشی و سیاسی حقوق- قرآن کریم کی روشنی میں، عصر حاضر کے مسائل اور قرآنی تعلیمات- مقالات سیمینار (خصوصی اشاعت، ششماہی علوم القرآن، ۲۲/۲-۲۴/۱، جولائی ۲۰۰۷ء- جون ۲۰۰۹ء، ص۱۵۴)

اس طرح دوصورتوں میں عورت کو کسب مال یا معاشی میدان میں تگ و دو کا اختیار حاصل ہے۔ اول یہ کہ اس کا کوئی سہارا نہ ہو یا اعزہ وقریبی لوگوں میں کوئی ایسا موجود نہیں ہے جو اس کی کفالت کرسکے۔ دوسرے یہ کہ وہ مال کما کر لوگوں کی فلاح و بہبود کے کام کرنا اور ثواب حاصل کرنا چاہتی ہے۔ تیسرے ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ مال کمانا اور آمدنی بڑھانا مرد وعورت دونوں کا حق ہے۔ معیار زندگی بڑھانے کی خواہش یا معاشی استحکام کے حصول کا جذبہ عورت کے لیے بھی قابل مذمت نہیں ہے اس لیے وہ اپنا حق استعمال کرتے ہوئے کسب مال کے ذرائع اختیار کرسکتی ہے اور معاشی تگ و دو میں حصہ لے سکتی ہے گویا حالات کی مجبوری یا ضرورت نہ ہو تب بھی عورت معاشی زندگی میں دوڑ بھاگ کرکے اپنی معاشی حیثیت کو بلند کرنے کی مجاز ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیال میں:

''حدود کی رعایت سے آمدنی بڑھانے اور اپنی کمائی کرنے کا عورت کا حق مطلق ہے۔ اس لیے معیار زندگی کو بلند کرنے نہ کرنے یا دیگر وجوہ سے قطع نظر اسے اپنے حق کو استعمال کرنے کا حق ہے۔ ہر حال میں تنگی اور ترشی سے کام چلانا بھی کوئی کار نیک نہیں ہے اور زندگی کے معیار کو بڑھانے کی خواہش بھی ہر حال میں قابل مذمت نہیں ہے۔ اس لیے ان قیدوں اور شرطوں کے بغیر عورت کو مطلق اپنی الگ کمائی کرنے اور اپنی آمدنی بڑھانے کا حق ہے اور اپنی حدوں میں رہتے ہوئے وہ اپنے اس حق کا استعمال کرسکتی ہے بلکہ عام طور پر اسے ایسا کرنا چاہیے''۔

(سلطان احمد اصلاحی، خواتین کی ملازمت (سوال و جواب)، سہ ماہی علم وادب (علی گڑھ)، ۲/۴، اپریل-جون ۲۰۱۰ء، ص ۴۵-۴۶)

بہرحال مخصوص حالات میں عورت کے لیے معاشی تمکین یا کسب مال کی راہ میں تگ و دو کا جواز اس پر موقوف ہے کہ اسلامی اصول و تعلیمات کی خلاف ورزی نہ ہو، عزت و ناموس محفوظ رہے، شوہر کے حقوق واجبہ کی بجا آوری میں خلل نہ آئے اور امور خانہ داری کی نسبت سے اس کی جو بنیادی ذمہ داریاں ہیں وہ متاثر نہ ہوں۔ اس باب میں مولانا سید جلال الدین عمری کی یہ رائے بڑی متوازن معلوم ہوتی ہے:

''حدود شریعت میں رہتے ہوئے اسلام مالیات کے میدان میں عورت اور مرد کو دوڑ دھوپ کی اجازت عطا فرماتا ہے اور ان کی محنت کے صلہ کو ان کا جائز حق تسلیم کرتا ہے جس پر قانوناً کوئی بھی شخص دست درازی نہیں کرسکتا حتی کہ خاوند بھی بیوی کے مال میں تصرف کا مجاز نہیں ہے اور نہ بیوی کے لیے جائز ہے کہ شوہر کی دولت میں اپنی مرضی نافذ کرے''

(عورت اسلامی معاشرہ میں، محولہ بالا، ص ۱۷)

قرآن کریم نے عورت کو روزمرہ زندگی میں جو اختیارات دیے ہیں ان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس نے انھیں بھی نگراں، محافظ اور امین قرار دیا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ عام طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ گھریلو زندگی میں مرد ہی ہر کام کے نگراں ہوتے ہیں، وہی تمام معاملات کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں، عورتیں بس ان کے ماتحت ہوتی ہیں وہ اس لائق نہیں کہ نگرانی کا کام انجام دے سکیں یا کسی چیز کی محافظت کی ذمہ داری نبھا سکیں۔ قرآن کریم میں نیک عورتوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور اپنے شوہروں کے حقوق و امانت کی حفاظت کرتی ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ (النساء/۳۴)

پس جو نیک عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی نگرانی میں ان کے حقوق و امانت کی حفاظت کرتی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خاص طور سے شوہروں کی غیر موجودگی میں وہ ان کے گھر اور مال و اسباب کی دیکھ ریکھ کرنے والی ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ حقوق و امانت کی حفاظت میں مال و اسباب، عزت و ناموس اور راز و عہد کی حفاظت سب کچھ شامل ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گھر میں اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیتے ہوئے یا امور خانہ داری کے فریضہ کو پورا کرتے ہوئے عورت کی حیثیت نگراں و امین کی بھی ہوتی ہے۔ مرد و عورت دونوں کی نگرانی کا دائرہ کار الگ ہوسکتا ہے یا اس کی نوعیت کچھ مختلف ہوسکتی ہے لیکن دونوں اپنے اپنے دائرہ میں امین و نگراں ہیں۔ عورت کی یہ ذمہ داری اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب شوہر گھر پر موجود نہیں ہوتا یا کسی کام سے باہر جاتا ہے۔ یہ نکتہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے جس میں حاکم، مرد و عورت اور غلام ہر ایک کو نگراں قرار دیا گیا ہے اور جو لوگ ان کی نگرانی میں رہتے ہیں ان کے بارے میں انھیں جواب دہ ٹھہرایا گیا ہے۔ عورت کی نگرانی کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والمرءة راعية علی اهل بیت زوجها وولده وهی مسئولة عنهم ۔ (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والفیئی والامارة، باب مایلزم الامام من حق الرعیہ)

عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگراں ہے اور اس سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی۔

اس حدیث کی رو سے عورت کی نگرانی کا دائرہ کافی وسیع ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں اسے شوہر کے پورے گھر والوں کا نگراں قرار دیا گیا ہے۔ ''عورت اسلامی معاشرہ میں'' کے مصنف گرامی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ جو افراد اس کے زیر اثر ہیں اس کا فرض ہے کہ ان کے حقوق اور مفادات کی نگہ داشت کرے، ان کو راہ راست پر چلائے اور غلط روی سے باز رکھے اور ان کے نفع وضرر اور سود وزیاں کی اس طرح نگرانی کرے جس طرح ایک چرواہا جنگل میں بھیڑوں کی کرتا ہے۔ عورت کا فرض یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اس دولت اور ساز و سامان کی بھی محافظ اور امین بنائی گئی ہے جو شوہر نے اس کے تصرف میں دیا ہے۔ نبی ﷺ ایک صالح بیوی کی ایک صفت یہ بیان فرماتے ہیں: وان غاب عنها نصحته فی نفسها و ماله ۔ (سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب افضل النساء) (اور اگر شوہر اس کی نگاہوں سے غائب ہو جائے تو وہ اپنے نفس (عصمت) اور اس کے مال کے معاملہ میں اس کے ساتھ خیر خواہی کرتی رہے'' ۔ (عورت اسلامی معاشرہ میں، ص ۲۲۰)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عام حالات میں گھر کی نگرانی اور گھر والوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی دیکھ ریکھ عورت کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کام کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب شوہر گھر سے غیر حاضر ہو۔

اسلام نے عورت کو معاشی تمکین کے جو مواقع فراہم کیے ہیں، اس میں اس کے تصورِ علم کی جو دین ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شخصیت کی تعمیر، اخلاق کی تہذیب اور صلاحیتوں کے نکھار میں تعلیم کا جو اہم رول ہے وہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ یہ بات بھی معروف ہے کہ تعلیم حقوق و فرائض سے آگہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے کائنات میں انسان کو اپنا مقام و مرتبہ معلوم ہوتا ہے اور اپنے اختیارات سے واقفیت ہوتی ہے۔ اسی طرح سماجی و معاشی پوزیشن کے استحکام میں بھی تعلیم کا بہت بڑا دخل ہے اس میں شبہ نہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے حصول علم کا مقصد محض معاش نہیں ہے لیکن ذرائع معاش کے حصول اور معاشی اداروں کی ترقی میں علوم و فنون کا جو رول ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ آج کے دور میں معاشی میدان سر کرنے میں تعلیم کی ضرورت و اہمیت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو۔ زراعت ہو یا تجارت، صنعت و حرفت ہو یا ملازمت ان معاشی ذرائع سے مستفید ہونے کے لیے تعلیم کی ضرورت دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ قرآن کا ایک فیض یہ بھی ہے کہ اس نے علم کا بلند تصور عطا کیا۔ اہل علم کے مقام کی بلندی اور ان کی رفعت شان واضح کی تو مرد و زن میں کوئی تفریق نہیں کی۔ یعنی اس کی نگاہ میں علم کا حصول مرد و عورت دونوں کے لیے مطلوب ہے، علم کے بغیر جس طرح مرد کی شخصیت نامکمل رہ جاتی ہے اسی طرح عورت کی شخصیت کی تکمیل بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ بالفاظ دیگر علم کسی ایک خاص طبقہ کا حق نہیں بلکہ یہ تمام انسانوں کی ناگزیر ضرورت ہے۔ قرآن کی اِن آیات سے سب کے لیے علم کی اہمیت و فضیلت واضح ہوتی ہے، علم حاصل کرنے کی ترغیب ملتی ہے اور اہل علم کی رفعت شان آشکارا ہوتی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ (الزمر/۹)

کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً۔ (البقرہ/۲۶۹)	اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بہت بڑی دولت مل گئی۔
يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ (المجادلۃ/۱۱)	تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند فرمائے گا۔

دوسرے قرآن کے تصور علم کی وسعت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ جہاں جہاں علم کے حصول وفروغ کی نسبت سے ہدایات وترغیبات ملتی ہیں وہاں بغیر تحدید وتقسیم کے صرف ''علم'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ان آیات کے سیاق وسباق اور احادیث کی تشریحات کی روشنی میں اگر علم کی کوئی تقسیم کی جاسکتی ہے تو وہ اس کا نافع وغیر نافع ہوتا ہے۔ درحقیقت قرآن وحدیث سے ہر اس علم کے حصول کی ترغیب وتحریک ملتی ہے جو حاصل کرنے والے کے لیے مفید ہو اور دوسروں کے لیے بھی نفع بخش ثابت ہو۔ اس لحاظ سے ان تمام علوم کا اکتساب مستحسن بلکہ ضروری ہے جو شخصیت کے نکھار میں ممد ومعاون ثابت ہو، جو لوگوں کو بااختیار شہری بنا سکے اور دینی، سماجی ومعاشی مختلف اعتبار سے ان کی پوزیشن کو مستحکم کرسکے۔ حقیقت یہ کہ اسلام چاہتا ہے کہ بلاتفریق مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنی ذہنی استعداد بڑھانے اور علمی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے مواقع میسر ہوں تاکہ وہ بھی علم وفن کی راہوں سے گذر کر اپنی شخصیت کی تہذیب وتزئین کرسکیں، اپنے مقام ومرتبہ کو پہچان سکیں اور اپنے اختیارات کو نہ صرف جان سکیں بلکہ ان کو استعمال کرنے کی اہل بھی ہوجائیں۔ اسلام کے تصور علم اور عورت کے مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے سید قطب شہیدؒ نے بجا فرمایا ہے:

> ''اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے ایک ایسے دور میں ساری انسانیت کے لیے علم کی اہمیت پڑ زور دیا جب دنیا میں ہر طرف جہالت اور تاریکی کا دور دورہ تھا۔ اس نے علم کو محض ایک طبقہ کا حق قرار نہ دیا بلکہ اس کو تمام انسانیت کے لیے ایک ناگزیر ضرورت بتایا اور تمام مسلمانوں کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا حصول ان کے ایمان و اسلام کی ضروری شرط قرار دیا۔ یہ شرف بھی اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے عورت کو آزاد وجود قرار دے کر اس کو بتایا کہ علم کے بغیر اس کی شخصیت کی تکمیل ناممکن ہے۔ حصول علم جس طرح مرد پر فرض ہے اسی طرح یہ عورت پر بھی فرض ہے کیوں کہ اسلام چاہتا ہے کہ عورتیں جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ اپنی عقل و روح کو بھی ترقی دیں تا کہ بہتر زندگی گذار سکیں'' ۔۔۔ (اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، ص ۱۸۵)

ان سب کے علاوہ علم کے حصول یا تعلیم کی راہ میں مرد و عورت سب سے جو چیز اصلاً مطلوب ہے وہ یہ کہ اللہ رب العزت سے تعلق قایم رہے اور اللہ کے بندوں کے حقوق یاد رہیں۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر علم اور علمی صلاحیت عطا کرنے والی ذات باری تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا اور اس کے ذکر میں زبان و قلم مصروف رہیں گے تو ہر طرح ثبات و استحکام نصیب ہوگا۔ اللہ کرے اپنے خالق و مالک سے ہم سب کا تعلق مضبوط ہو جائے۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com